

ترتیب و نظام قرآن

(مولانا فراہیؒ کی ایک نادر اردو تحریر)

حمید الدین فراہیؒ

جس طرح اقسام کلام مختلف ہیں، اسی طرح ان کی ترتیب اور نظام جداگانہ اصول رکھتے ہیں۔ نظام کے لحاظ سے ہم کلام کی دو قسم قرار دیتے ہیں، اول منظر جو واقعات یا حقائق کو محض ظاہر کر دیتا ہے جس طرح وہ کلام جو قانون و احکام یا تاریخ و قصص یا طبیعیات و ریاضیات پر مشتمل ہو۔ دوسرا مؤثر جو انسان میں ایک حرکت ڈال دے اور اس میں جوش یا شوق یا رغبت یا نفرت یا سرور و غم پیدا کر دیتا ہے جس طرح وہ کلام جو وعظ یا مباحثہ یا مدح و ذم یا شادی و غم وغیرہ پر مشتمل ہو۔

یہ تقسیم عقلی اگرچہ دو جداگانہ قسم بنا دیتی ہے مگر مصنفین اکثر کسی مصلحت سے دونوں کو مختلط کر دیتے ہیں۔ مثلاً تاریخ کی کتاب میں کبھی ایسے چھپے ہوئے نشر رکھ دیتے ہیں جن سے پڑھنے والے کے دل میں ایک دلدہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض واقعات فی نفسہ مؤثر ہوتے ہیں جس طرح شہادت مظلومان کر بلا۔ لیکن اس میں کلام کو دخل نہیں ہے حتیٰ اگر کوئی شخص واقعہ شہادت کے محض بیان پر اکتفا کرے تو ہم کہیں گے کہ یہ اثر طرز کلام نے نہیں پیدا کیا بلکہ ان واقعات نے پیدا کیا اور اس لیے وہ کلام محض بیان واقعہ اور مظہر ہو گا مگر جبکہ ہم اس میں یہ کوشش کریں کہ اس واقعہ کی تصویر اسی رنگ و روپ کے ساتھ پیش کریں جیسا کہ اس وقت میں دیکھنے والوں کو نظر آتی تھی تو اس میں ہمیں خاص ترتیب اور نئی صنعت سے کام لینا پڑے گا اور اس وقت بجائے ایک مورخ کے ہم انیس و تبرین جائیں گے۔

ظاہر ہے کہ ایسے دو مختلف کلام کی ترتیب کے لیے ضرور مختلف اصول ہونے چاہئیں۔ کلام مظہر کی ترتیب کے لیے اصول میں ہماری یہ خواہش ہے کہ مجھے صرف قرآن کی ترتیب

سے بحث کرنی ہے اور وہ بحیثیت اغلب کلام موثر کی قسم میں داخل ہے جس نے عرب کے ہندپانی میں ایسی حرکت ڈال دی کہ سیلاب بن کر فاران کے دروں سے ٹکر کھاتا ہوا اتر اور چشمِ زدن میں روئے زمین پر پھیر گیا اور اس کو کفر و شرک کی بنیاد سے دھو ڈالا۔ بقولِ حالی :

وہ بجلی کا کرنا تھا یا صیتِ ہادی

عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی

بے شک ہم کو صرف موثر کلام کی ترتیب سے بحث کرنا ہے لیکن ہم چند مثالوں سے کلامِ مظهر اور موثر کا فرق ظاہر کریں گے۔ ص و بضدھا تنبہن الاشیاء۔

فرض کرو کہ عطار کی دکان میں مفرد دوائیں ترتیب سے رکھی ہیں۔ ظاہر ہے کہ عطار ان کو اس ترتیب سے رکھے گا کہ ان کی حفاظت میں ان کے ڈھونڈھنے میں ان کی کافی مقدار مہیا رکھنے میں اس کو آسانی ہو۔ انھیں دواؤں کی ترتیب علمِ الادویہ میں کی جاتی ہے جو ان کے آثارِ پیدائش کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ اب انھیں دواؤں کو ایک طبیبِ معالجہ کی غرض سے ترتیب دیتا ہے۔ ان کی مقدار مقرر کرتا ہے، کبھی کسی دوا کی مقدار کم اور کبھی زیادہ کرتا ہے۔ خود ہی اپنے نسخہ کو کبھی بدل دیتا ہے، بعض نئے اجزاء اس میں داخل کرتا ہے، بعض پرانے نکال ڈالتا ہے تاکہ وہ اثر جو بیمار کے مزاج پر پیدا کرنا اس کو منظور ہے، حاصل ہو۔ طبیب کی ترتیب نہ صرف عطار کی ترتیب سے مختلف ہوتی ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ پیچیدہ اور مشکل سے سمجھ میں آنے والی ہوتی ہے، کسی انارٹھی کو جو عطار خانہ کی ترتیب میں ڈھونڈھنا چاہتا ہو، نسخہ کے اجزاء بالکل خطبے ربط معلوم ہوں گے، مختلف نسخوں میں اس کو تناقض نظر آئے گا، وہ کہے گا کہ دیکھو ایک نسخہ میں حکمِ صاحب یوں لکھتے ہیں اور دوسرے میں خود ہی اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ لیکن یہ ترتیب اس وقت صاف نظر آنے لگتی ہے جب، یہ معلوم ہو کہ مختلف اوقات میں بیمار کے مزاج کی کیا حالت تھی اور کس وقت کن اجزاء کی اس کو احتیاج تھی۔

پس محرک (موثر) کلام کی ترتیب صرف اس امر کو پیش نظر رکھتی ہے کہ کیوں کر سامعین پر

موثر ہو۔ اب ہمیں یہ دکھانا ہے کہ ان کی ترتیب کے مناج کیا ہیں ؟

یہ کلام ایک خاصہ ہے جو کہ ان کے مناج کے بالکل مناسب

ہوتا ہے اور چونکہ حالات نوع انسان اور حالات قرون مختلف بدلتے رہتے ہیں اس لیے کیوں کر ممکن ہے کہ ایک ہی لباس ہر جسم پر ٹھیک آئے، جو شخص اس کلام کا مخاطب صحیح نہیں ہے اس کو وہ کلام بے اثر و بے موقع معلوم ہوگا۔ قرآن کے مطالعہ کے وقت عموماً ہر شخص کو یہی امر ذہن نشین ہوتا ہے کہ ہم اس کے مخاطب ہیں۔ حالانکہ اس کا روئے سخن ایسے گردہ کی طرف ہے جن کے حالات و خیالات اور جذبات اور توہمات ہم میں بالکل نہیں۔

ہم کو لازم ہے کہ زمانہ نزول قرآن کی پوری حالت تمدن سے ہم واقف ہوں۔

وسائل انکشافِ نظم قرآن

(۱) ہم کو اس وقت کے یہود و نصاریٰ و مشرکین و صاحبین وغیرہ کے مذاہب و معتقدات سے واقف ہونا چاہیئے۔

(۲) ہم کو عرب کے عام توہمات کو دریافت کرنا چاہیئے۔

(۳) ہم کو جاننا چاہیئے کہ نزول قرآن کی مدت میں کیا کیا واقعات نئے پیدا ہوئے اور ان سے عرب کی مختلف جماعتوں میں کیا کیا مختلف باتیں زیر بحث آگئیں۔ کیا کیا ملکی و تمدنی ٹھیکڑے چھڑ گئے اور تمام عرب میں کیا شورش پیدا ہو گئی؟

(۴) ہم کو یہ بھی جاننا چاہیئے کہ عرب کس قدر وحشی اور تند مزاج تھے اور اس لیے کس قسم کے کلام سے متاثر ہو سکتے تھے۔

(۵) ہم کو یہ بھی جاننا چاہیئے کہ عرب کا مذاق سخن کیا تھا۔ کس قسم کے کلام کے سننے اور بولنے کے وہ عادی تھے۔ رزم و بزم میں ان کا خطیب کس روش پر چلتا تھا۔ ایجاز و اطناب، ترصیع و ترکیب اور دیگر اسالیب خطابت کو وہ کیوں کرا استعمال کرتے تھے۔

(۶) اور بالآخر ہم کو یہ بھی جاننا چاہیئے کہ عرب کے ذہن میں اخلاق کے مدارج نیک و بد کیا تھے اگرچہ اس سے زیادہ تراحمکام قرآن کے سمجھنے میں مدد ملے گی لیکن نظم قرآن بھی اس کو بیشتر ملحوظ رکھنا ہے۔

ان امور مذکورہ بالا میں جو آگہی تاریخ سے متعلق ہیں، ان کے لیے کتب تاریخ کافی ہیں۔ مجھے اس پر اس سے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ فہر قرآن کے لیے ان کو اس نظر سے دیکھنا چاہیئے کہ یہ

نثر عرب | نثر عرب مدون نہ ہوئی اور سوائے چند کلمات و مختصر خطبات کے جو بطور تبرک چلے آتے ہیں، ہمارے پاس بہت کم مثالیں ہیں۔

(۱) جس سے ان کا طرز کلام معلوم ہو، جا حفظ نے جو فقرات و خطبات جمع کیے ہیں وہ آٹھ دس سطروں سے زائد نہیں۔

(۲) منہج البلاغہ میں بے شک مطول خطبات ہیں۔ لیکن اول تو وہ ایک خاص شخص کا کلام ہے جس سے تمام عرب کے کلام پر رائے قائم کرنی مشکل ہوگی۔ دوسرے وہ کلام اہل نظر کے نزدیک جو اصول و روایت کو عامیانہ تقلید پر ترجیح دیتا ہو۔ تیسری اور چوتھی صدی سے بیشتر کا نہیں ہو سکتا۔

(۳) احادیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اول تو بالمعنی مروی ہیں۔ دوسرے نہایت مختصر تیسرے بیشتر وہ قانونی جملے ہیں نہ کہ خطیب کے گرم گرم اور برجستہ فقرات۔

بہر حال یہی ذخیرہ ہے جس سے کچھ کچھ اسلوب کلام عرب منکشف ہوتا ہے۔ ہاں قرآن مجید خود ایک مکمل ذخیرہ ہے اور اگرچہ عام اصول کے مطابق اس پر روشنی ڈالنے کے لیے کوئی اور کلام چاہیے تھا لیکن بعض چیزیں اپنی آپ ہی نظیر ہیں۔ اسی کو بار بار دیکھو اور اس کے محاسن کو سمجھو۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب گر دلیلش خواہی ازوے رخ مناب

نظم عرب اور نثر عرب جس قدر موجود ہے ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کہیں کہیں اسی انداز پر ہے۔ مسجع فقرات جیسا کہ سورہ مدثر وغیرہ میں ہیں۔ نثر عرب سے کلی مشابہت رکھتے ہیں مگر جہاں کلام نہایت رواں اور پُر زور ہے جہاں نہر کی چھوٹی ٹلہوں کے مشابہ نہیں بلکہ طوفانی سمندر کے تلاطم اور آبشاروں کے زور و شور کی طرح، سلسلہ سخن نہایت وسیع پیمانہ پر بڑھتا اور سمٹتا، چڑھتا اور اترتا ہے جیسا کہ سورہ بقرہ وغیرہ میں نظر آتا ہے، ایسے کلام کی مثال نثر عرب میں نہیں ملتی۔ مگر اس کی علت یہ نہیں ہے کہ عرب کے خطبات محض مسجع اور منقصب ہی ہوا کرتے تھے بلکہ رواہ کو ان کا محفوظ رکھنا دشوار تھا۔ مسجع فقرے آسانی سے یاد رہ جاتے ہیں مگر لمبی لمبی تقریریں جن کا اعادہ خود مقرر نہیں کر سکتا، کون یاد کر سکتا ہے؟ کیا حضرت ابو بکرؓ کا خطبہ، ثقیف میں جس

نے عرب کے بکھرے ہوئے شیرازہ کو منظم کر دیا، ایسا ہی مختصر تھا جیسا کہ منقول ہے، خود حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ: 'ابو بکرؓ نے اس خطبہ میں کوئی بات نہیں چھوڑی۔' انصار کے محاسن، مہاجرین کے فضائل ایک ایک کر کے ذکر کیے۔ آج اگر ہمارے پاس عرب کے پُر زور خطبے ہتھامہا ہوتے تو بلاشبہ قرآن کے اسلوب سمجھنے کے لیے چراغ راہ ہوتے۔

نظم قرآن کیوں مخفی رہا؟ | خفا و نظم کی وجہ یہ ہوئی کہ قرآن کو عموماً یا تو مجموعاً قوانین کی حیثیت سے دیکھا گیا یا علمی کتاب کے مشابہ مانا گیا۔ صحف انبیاء میں کوئی وعظ اور کوئی گیت اور کوئی خواب اور کوئی تاریخ وغیرہ کے نام سے موسوم ہیں اور اس لیے ان کا اسلوب بالکل اسی حالت سے مناسب معلوم ہوتا ہے مگر قرآن کی نسبت ایک مبہم سا خیال مجموعہ قانون یا کتاب کا قائم ہو گیا۔ اگر ہر سورہ پر خاص عنوان لکھا ہوتا یا چند مجموعہ آیات کی قطعاً قائم کی جاتیں تو ترتیب معلوم پڑتی اور نیز پہلے ہی سے یہ بھی یقین ہے کہ چون کہ یہ سچا نسخہ نازل ہوا ہے اس لیے اس میں تسلسل ڈھونڈنا عبث ہے۔

نظم قرآن کے خفا کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ علماء نے قرآن کے لفظ لفظ سے مسائل اخذ کیے ہیں۔ اس شوق میں کہ منطقی طور پر جو کچھ اس سے مستنبط ہو منصوص سمجھا جائے۔ سیاق و سباق کی طرف کچھ لحاظ نہ کیا اور جس طرح امام بخاریؒ نے ایک حدیث کو متعدد ایاداب میں ذکر کر کے اس سے چند در چند مسائل مستنبط کیے ہیں۔ مفسرین نے ایک ایک آیت کو مضامین متنوع کا منبع قرار دیا۔ پھر یہ کیوں کر پتہ لگے کہ یہ آیت کس امر کو اصلی طور پر اور کس امر کو ضمناً بیان کرتی ہے اور لامحالہ اس کشاکش مضامین میں سررشتہ نظم ہاتھ سے جاتا رہا۔

کلام مؤثر کی ترتیب | کلام مؤثر میں اصل مدعا یا عمود کلام کبھی مفرد ہوتا ہے اور کبھی متعدد۔ عمود کلام کے سوا اکثر تمہید اور مقطع بھی اجزاء کلام میں داخل ہوتے ہیں جبکہ عمود کلام پہلے سے معلوم نہ ہو، یعنی بینہ بتایا گیا ہو کہ فلاں امر پر گفتگو کی جائے گی۔ جیسا کہ قرآن کی حالت ہے تو چون کہ تمہید کبھی مختصر اور کبھی مطول اور کبھی قریب اور کبھی بنید اور کبھی مفرد اور کبھی مسلسل ہوتی ہے۔ اس لیے جب تک پورے کلام پر غور سے عبور نہ کیا جائے

شاہ ولی اللہ صاحب نے قرآن کو شاہی خطوط سے مشابہ مانا ہے جو مختلف احکام اور ہدایات پر شامل ہوا اور حسب ضرورت وقت مختلف ہدایتیں کی گئی ہوں۔ مگر چوں کہ عنوان نہیں لکھا گیا اس لیے منتشر معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت میں چونکہ لوگ واقف تھے کہ فلاں امور درپیش ہیں اس لیے ان کو معلوم ہوتا تھا کہ یہ تمام باتیں بالکل حسب موقع و ضرورت ہیں۔ مگر آج ان کا حسب موقع ہونا مخفی ہے گو یا شاہ صاحب ترتیب کو نہیں مانتے اور ضروری بھی نہیں سمجھتے۔ یہ خیال ایک حد تک بالکل صحیح ہے لیکن یہ امر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہ عنوان قائم کیا جائے اور وہی رکوع کی بنیاد ہو۔

(الاصلاح، جنوری ۱۹۳۷ء)

ہواشی و مراجع

۱۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، الفرد الکبیر (عربی ترجمہ: سلمان الحسینی الندوی) ندوۃ العلماء لکھنؤ، ۱۹۸۲ء و ۱۹۸۳ء

مولانا حمید الدین فراہی کی ایک نادر و نایاب عربی تصنیف

التکلیل فی اصول التاویل

جس میں مولانا فراہی نے

- * قرآن مجید میں غور و فکر کے صحیح طریقے بیان کیے ہیں۔
- * اہم تفسیری اصطلاحات کی تسلی بخش تشریح کی ہے۔
- * تفسیر کی راہ میں حائل مشکلات کو حل کیا ہے۔

مولانا فراہی کی قرآنی بصیرت اور تفسیری مہارت کا عظیم شاہکار
عمدہ کاغذ، آفینٹ کی روشن طباعت، صفحات ۶۸، قیمت -/۲۰ روپے

ملنے کے پتے:

دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ ۲۰۵۲۰۵
ادارہ علوم القرآن، پوسٹ بکس ۹۹ سرسیدنگر، علی گڑھ ۲۰۲۰۲